R. No. 2146/57 REGD. N. L. 922

انجمن ترقی اردو (ہند) کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

تاریخ ہائے اشاعت
۱ - ۸ - ۱۵ - ۲۲

فون نمبر ۲۹
سالانہ قیمت ۵ روپے
فی پرچہ ۱۵ پیسے

جلد ۲۸ - شمارہ ۹	اڈیٹر: آل احمد سرور	یکم مارچ ۱۹۶۹ء

آل احمد سرور

دہلی میں غالب صدی کی تقریبات

(۲)

دوسرے دن یعنی ۱۷ فروری کو صبح پونے دس بجے مسٹر مرارجی ڈیسائی نے ایک چھوٹی سی صاف ستھری تقریب میں غالب ٹکٹ کا اجرا کیا۔ یہ خوشی کی بات ہے کہ غالب کا یہ دوسرا ٹکٹ ہے۔ اس پر غالب کی ایک مستند تصویر کے چربے کے علاوہ غالب کی مہر اور پس منظر میں ان کے خط کا چربہ ہے۔ ان تینوں باتوں کی وجہ سے اس ٹکٹ کی اہمیت بہت بڑھ گئی ہے۔ مرارجی ڈیسائی نے اپنے مخصوص انداز میں کہا کہ غالب نے شراب کی تعریف میں بہت کچھ کہا ہے اسے نظر انداز کرنا چاہئے لیکن انسان دوستی اور رواداری کے متعلق ان کے خیالات کی ضرور تقلید کرنا چاہئے۔ مہمانوں کو اس ٹکٹ کے مہر شدہ نمونے بھی تحفے کے طور پر پیش کئے گئے۔ اندر کمار گجرال نے جو مشہور مصور ستیش گجرال کے بھائی ہیں محکمے کی طرف سے مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔

بارہ بجے سے بین قومی غالب سیمینار کا آغاز ہوا۔ اس میں شرکت کے لئے حسب ذیل اسکالر بیرونی ممالک سے تشریف لائے تھے۔

(۱) باباجان غفوروف۔ سوویٹ یونین
(۲) سکاچوف۔ سوویٹ یونین
(۳) ڈاکٹر اینی میری شمیل۔ ہارورڈ یونیورسٹی امریکہ
(۴) ڈاکٹر ڈاوڈ ربہر۔ بوسٹن یونیورسٹی امریکہ
(۵) پروفیسر لطف علی صورتگر۔ تہران، ایران
(۶) پروفیسر بوسانی نیپلز یونیورسٹی اٹلی
(۷) رالف رسل۔ لندن یونیورسٹی
(۸) یان مارک۔ پراگ چیکوسلوواکیہ
(۹) ظلینا چشمنوا۔ " "
(۱۰) ڈاکٹر رالف۔ امریکہ

قاضی عبدالودود نے سیمینار کا افتتاح کیا۔ قاضی صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں پہلے انگریزی میں ایک چھوٹا سا نوشتہ پڑھا اس کے بعد اردو میں خطبہ پڑھا۔ قاضی صاحب نے غالب کی زندگی پر مزید تحقیق کی ضرورت پر زور دیا اور غالب کے اپنے آباء اجداد کے متعلق بہت سے بیانات کو محل نظر ٹھہرایا۔ قاضی صاحب کی تقریر میں غالب کی نظم و نثر پر توجہ غالب کی عظمت کی مناسب توجیہہ بھی تھی، ہاں غالب کی شخصیت کی بہت سی کمزوریوں کی طرف اشارہ کیا گیا تھا، اپنی جگہ ان کی تقریر قابل قدر تھی مگر مجھے وہ بے موقع معلوم ہوئی۔ یہ صحیح ہے کہ جو اسکالر اس موقع کے لئے جمع ہوئے تھے ان کا مقصد صرف غالب کی تعریف کرنا نہ تھا، بے لاگ جائزہ بھی لینا تھا، مگر مجھے یہ تقریر سن کر فارسی کا یہ مصرعہ بے اختیار یاد آیا۔

عیب مے جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو

قاضی صاحب کے بعد اجلاس کے صدر باباجان غفوروف کی روسی میں تقریر ہوئی جس کا ترجمہ انگریزی میں ایک ترجمان نے کیا۔ انہوں نے غالب کو خراج عقیدت پیش کیا اور اس کی فارسی شاعری کی اہمیت کا اعتراف کیا۔ انہوں نے روس میں غالب کے بڑھتے ہوئے مطالعے اور غالب سے دلچسپی کا بھی ذکر کیا۔ ان کی تقریر کے بعد پروفیسر لطف علی صورتگر نے ایک پرلطف مقالے میں غالب کی فارسی شاعری کی اہمیت کو واضح کیا اور ان کے متعدد اشعار کی مدد سے غالب کی آفاقیت پر روشنی ڈالی۔ پروفیسر صورتگر نے ایک سوال کے جواب میں یہ بھی کہا کہ اگرچہ غالب کی شاعری کا شمار سبک ہندی میں ہوتا ہے۔ مگر ایران میں اب اسے خاص اہمیت دی جاتی ہے۔ اس تقریر کے بعد افتتاحیہ

اجلاس ختم ہوگیا۔

تین بجے سے دوسرا اجلاس شروع ہوا جس کی صدارت پروفیسر بوسانی نے کی۔ اس میں ڈاکٹر خلیل نے ایک عالمانہ تقریر کی۔ غالب کی مشہور غزل جس کی ردیف برقص ہے تجزیہ کرتے ہوئے انھوں نے غالب کے محبوب استعاروں اور ذہنی پیکروں کا ذکر کیا اور ان کی معنویت کو واضح کیا۔ فارسی ادبیات پر پروفیسر خلیل کی نظر بہت گہری ہے۔ (باقی آئندہ)

روس میں امیر خسرو کی کلیات شائع کی جائے گی

نئی دہلی:۔ مرزا غالب کی سو ویں برسی کی تقریبات کے سلسلہ میں یہاں منعقد ہونے والے بین الاقوامی سیمینار کے تیسرے اجلاس میں منگل کے روز روسی عالم بابا جان غفوروف نے بتایا کہ روس جلد ہی ہندوستان کے جلیل القدر صوفی اور عظیم شاعر امیر خسرو کی سات سو ویں برسی منائے گا انھوں نے کہا کہ حضرت امیر خسرو کا مجموعۂ کلام بھی پانچ جلدوں میں شائع کیا جائے گا۔ (سیاست)

ایشیائی اقوام کا ادارہ روس میں مرزا غالب کی خصوصی جوبلی کا اہتمام کرے گا

نئی دہلی:۔ مرزا غالب کی سو ویں برسی کی تقریبات کے سلسلہ میں یہاں منعقد ہونے والے بین الاقوامی سیمینار کے تیسرے اجلاس میں روسی عالم بابا جان غفوروف نے بتایا کہ غالب کے فارسی کلام کا پہلا مجموعہ جو منتخب درجن غزلوں پر مشتمل تھا، روسی ترجمے کے ساتھ ۱۹۲۲ء میں شائع ہوا تھا۔ ۱۹۵۰ء سے ۱۹۵۹ء تک دہائی کے ابتدائی برسوں میں فارسی ادب کی تاریخ شائع کی گئی جس میں غالب کی زندگی پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کے بعد غالب پر متعدد مقالے پیش کئے گئے نیز غالب کے خاص موضوع پر رسالے پیش کئے گئے، اور اس شاعر کی سوانح عمری شائع کی گئی۔ پروفیسر غفوروف نے یہ بھی بتایا کہ غالب کا فارسی کلام بھی شائع کیا جا چکا ہے اور مئی ۱۹۶۹ء میں ایشیائی اقوام کا روسی ادارہ غالب کی صد سالہ برسی کے سلسلہ میں ایک خصوصی جوبلی منانے والا ہے۔ (سیاست)

غالب کی کتابوں کا تنقیدی ایڈیشن

نئی دہلی:۔ آزاد بھون میں منعقدہ ایک تقریب میں وزیر تعلیم ڈاکٹر وی۔ کے۔ آر۔ وی۔ راؤ نے مرزا غالب کی تین کتابوں دیوان غالب، دستنبو اور قاطع برہان کے تنقیدی ایڈیشن کا اجرا کیا۔ یہ تینوں کتابیں صد سالہ یادگار غالب کمیٹی نے شائع کی ہیں یہ کتابیں آفسٹ پر شائع کی گئی ہیں اس کے علاوہ غالب کی سوانح حیات نیشنل بک ٹرسٹ نے شائع کی ہے یہ سوانح انگریزی میں چھپے ہندی، گجراتی اور پنجابی میں شائع کرنے کا پروگرام ہے۔

اردو مجلس گیا کالج کا غالب انعامی مقابلہ

گیا۔ غالب کی صد سالہ برسی کے موقع پر اردو مجلس گیا کالج کی طرف سے تحریر و تقریر کا انعامی مقابلہ منعقد ہونے جا رہا ہے ان مقابلوں میں یونیورسٹی، کالج اور مدرسے کے نامزد کردہ طلبہ اور طالبات حصہ لے سکتے ہیں۔ مزید تفصیلات سکریٹری اردو مجلس گیا کالج گیا سے حاصل ہو سکتی ہیں۔

لال قلعہ میں غالب کی یاد میں مشاعرہ

نئی دہلی:۔ یہاں لال قلعہ کے تاریخی دیوان عام میں جہاں سوا سو سال قبل آخری مغل شہنشاہ بہادر شاہ ظفر شعر و سخن کی محفلوں کی صدارت کیا کرتے تھے غالب کی یاد میں ایک عظیم الشان مشاعرہ کا انعقاد ہوا۔ اس کا افتتاح پروفیسر رشید احمد صدیقی نے کیا اور صدارت کے فرائض مرکزی نائب وزیر برائے قانون و اوقاف جناب محمد یونس سلیم نے انجام دئے مشاعرہ میں ملک کے ممتاز اردو شعرا نے حصہ لیا۔

دہلی کارپوریشن میں غالب پر بیرونی عالموں کا استقبال

نئی دہلی:۔ بین اقوامی غالب سیمنار میں شرکت کے لئے جو ممتاز عالم اور ادیب باہر سے تشریف لائے ہیں ان کا خیر مقدم دہلی کارپوریشن کے میئر نے ٹاؤن ہال میں کیا۔ اس موقع پر دہلی کارپوریشن کے میئر اور بین اقوامی غالب سیمنار کے سکریٹری ڈاکٹر یوسف حسین نے تقریر کی۔

غالب کون ہے

نئی دہلی فائن آرٹس تھیٹر میں غالب کون ہے کے عنوان سے ایک ڈرامہ ہوا۔ یہ ڈرامہ دہلی آرٹ تھیٹر کی جانب سے منعقد کیا گیا تھا۔

غالب اور ابوالکلام

نئی دہلی:۔ ۱۹ فروری ۱۹۶۹ء کو ممتاز سوویت ادیب بابا جان غفوروف نے وگیان بھون (نئی دہلی) میں عتیق صدیقی کی تازہ تالیف "غالب اور ابوالکلام" کے اجرا کی رسم ادا کی۔ یہ کتاب مکتبہ شاہراہ (دہلی) نے غالب صدی کے سلسلے میں شائع کی ہے۔ (شمیم احمد)

ذکاء الدین شایاں

کلیات جلال

(ایک شاعر، ایک تصنیف)

۱۹۴۲ء-۴۳ء کے اردگرد، جب میرے والد کا انتقال ہو گیا تو میں اپنے چچا کی سرپرستی میں آ گیا۔ انہیں کے دارالمطالعہ میں مجھے اپنے جد امجد (جلال الدین جلال زمیندار موضع ڈھکیا) کا مطبوعہ دیوان "کلیات جلال" نظر پڑا۔ یہ کلیات انیسویں صدی کے تقریباً نصف آخر میں شائع ہو چکی تھی جسے آخری بار میرے چچا نے میرے عم بزرگ نہال الدین نہال کی چند غزلوں کے ساتھ (جو دستیاب ہو سکی تھیں) اور ایک مقدمہ، خاندانی شجرہ اور شرح میں اپنی ایک غزل یا نظم کے اضافے کے ساتھ شائع کرائی تھی۔ اس کلیات کو پڑھنے کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ نہ صرف میرے دادا صاحب تصنیف تھے بلکہ میرے تایا، چچا اور والد بھی کسی نہ کسی حد تک شعری ذوق رکھتے تھے۔ چچا (تاج الدین تاج) کی نظم کا پہلا شعر جو "کلیات جلال" کے ابتدائیے میں شامل تھی، یہ تھا:

اے قوم جہل آگیا طوفاں ترے سر پہ
غفلت کی گھٹا دل کی ہے سامان تباہی

"کلیات جلال" کے ضمیمے میں میرے تایا نہال الدین نہال کا کچھ کلام شامل تھا۔ ان کی غزلوں کے چند اشعار اب تک میرے ذہن میں ہیں۔ ان اشعار سے ان کے ذوق کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

جب تک نہال صحبت رخ روبرو رہے
آنسو چھلکے ہی جائیں، کہ تازہ وضو رہے

اک ایک شرارت کی ادا دیکھتے رہنا
کافر کی لگاوٹ کو ذرا دیکھتے رہنا
داں زلفیں سنواری گئیں اٹھے ہیں یہاں اشک
کس رخ پہ برستی ہے گھٹا دیکھتے رہنا
ہم آؤ تو مے خانے میں اک لطف ہے واعظ!
پیمانہ ہے ہی مرد خدا! دیکھتے رہنا
اک مایۂ صد ناز نہال آپ کا دل ہے
لے جائے گی وہ زلف دوتا دیکھتے رہنا

حال دل کہنے نہ پایا تھا خدا کے سامنے
آ گیا اتنے میں وہ بت مسکرا کے سامنے
مرغ دل دام بلا میں آ گئے کتنے دیکھئے
کھول کر وہ بال بیٹھے ہیں ہوا کے سامنے
کوچۂ جاناں میں کب تک خاک چھانو گے نہال
بیٹھ کر مٹ جاؤ اس کے نقش پا کے سامنے

دن رات ہے جو تم وحشت اثر مجھے
جادو سا کر گیا ہے وہ جادو نظر مجھے
اس کا علاج کیا ہے بتا چارہ گر مجھے
صحبت میں یاد آتے ہیں زخم جگر مجھے
تاریکی لحد میں ذرا آ گئی ہے نیند
اے خواب زلف یار پریشاں نہ کر مجھے
محشر میں ہاتھ جوڑ کے ظالم نے اے نہال
کس لطف سے کہا ہے کہ رسوا نہ کر مجھے

ان غزلوں کے ساتھ فارسی کلام کا حصہ بھی تھا۔

تاج الدین تاج کے ادبی ذوق کا ثبوت "کلیات جلال" کی ترتیب تالیف کے کام اور ان کے مطالعے ہی سے نہیں ملتا بلکہ میرے والد کی قبر کے کتبے پر کندہ آتش کے اس شعر سے بھی ظاہر ہوتا ہے جس کا انہوں نے انتخاب کیا تھا۔

فرش گل بستر تھا جن کا خاک پر سوتے ہیں اب
خشت زیر سر نہیں یا تکیہ تھا زانوئے دوست

علی بن ایاز

آزاد اور اقبال

جنت میں ایک مکالمہ

سحر فردوس اعلیٰ کی کہ جس کی خلد سامانی — فضائے حیدرآں کی ہے عجب جلوہ پیرائی
فضا وہ عطر افشانی وہ نسیم جانفزا جس کی — تموج بیز بال سرمایہ دار کیف صہبائی
ہر اک خلد ستائش گر حریم کبریائی کا — ہر اک ذرہ چمن کا پر انول کا نقش پیرائی
ہر اک برگ شجر سرمست جام بادۂ وحدت — شجر ہر اک کو جس ذوق و شوق پیدائی
سبائے ان فضا اور نور پرور وہ فضائیں — امام الہند تھے تربیت پذیر بادہ پیمائی

جبیں پر شکن آلودہ گرد کدورت تھی — قدم معروف جنبش تھے نظر تھی محو تماشائی
انہیں اقبال نے نظارہ فرماتے گلشن میں — جو دیکھا دور سے صورت شناسی نظر آئی
تو آکے پاس از راہ قربت جھوم ہی اٹھے — نظر آئی انہیں اس شان پر بھی یہی زیبائی
جو یہی نا کہ ہے یار طریقت اپنا دیرینہ — مریضہ جس کا ہم صفیر بلبل یکتائی
امام الہند وہ مرد مجاہد جس کی طینت میں — تھی خودداری و خودبینی و زوبانی و خود آرائی
امام الہند وہ مرد شناور بحر الفت کا — فنا جس کی طبیعت نے گوارا تفرقہ زائی

ستائش اور مذمت کی نہ کی جس نے کبھی پروا — نگاہ وہ بین جس کی خواص کی شناسائی
نگاہ دشمنوں کی عقب لاتی سیاست کے — فراست کی تھی جس کی حلقوں پر کار فرمائی
مگر اس دم شکن آلود پیشانی سے ظاہر تھی — طبیعت کی کدورت فکر و اندیشہ کی گیرائی
کیا اقبال نے ان کو مخاطب بصد مسرت سے — کہ ہاں اے ہمدم دیرینہ غم گسار سودائی
طبیعت اشتیاق زادہ تو ہے تیری بیگانہ — تری گلپاشیاں ہر طلب ساماں یک جائی
جبیں کو وہ زمانہ دور کا ساماں غلامی کو — نفس کی موج تیری اور حرف جام صہبائی

مسرت بیز بال تیری نگاہ لطف میں پنہاں — نگاہ خشمگیں لرزہ زن اور جیب کسرائی
تری جہد مسلسل نے اتارا فرق شاہی سے — کلاہ تاجداری کی ہوئی کس درجہ رسوائی
بحمد اللہ پوری ہو گئی تیری مراد آخر — تمنائے دلی جو کوشش پیہم سے بر آئی
یہ سمجھا تھا کہ تو مسرور ہو گا کس قدر ہوگا! — مگر یاں بھی تری چتون سے پیدا ناشکیبائی
یہ جنت ہے یہاں تشویش و اندیشہ کا کیا موقع — یہاں تو ہے نشاط و کیف شادی کی ہوا چھائی
یہ سن کر آہ اک دل درد کھینچی اور فرمایا — کہ [illegible]

کمند آگہی تیری طبیع رسا صحیح تر ہے — تر اوصاف ذکاوت ماہی حکمت کا گیرائی
نظر محو فرض تیری بصد گہ بات سیاست کو — بصیرت کو تری کار در حکومت نقش بیانی
میں تجھ سے کیا کہوں احوال اپنے قلب حیراں — کہ تیری آنکھ ہے سرمایہ دار کیف بینائی
مرا درد لیست اندر دل اگر گویم زبان سوزد — اگر دم درکشم ترسم کہ مغز استخواں سوزد

مولانا آزاد لائبریری میں "کلیاتِ جلال" کا ایک نسخہ محفوظ ہے۔ یہ نسخہ، جیسا کہ کلیات کے سرورق پر درج ہے، ۱۹۰۲ء میں مطبع مفید عام آگرہ میں محمد قادر علی خاں صوفی کے زیرِ اہتمام دوسری مرتبہ (طبع ثانی) پانصد جلد، قیمت فی جلد چار آنے طبع کیا گیا۔ کلیات کے سرورق پر مصنف کا نام اور پتہ اس طرح تحریر ہے۔

"جناب مولانا محمد جلال الدین جلال، زمیندار موضع ڈھکیا، ضلع پیلی بھیت۔"

"کلیاتِ جلال" کے اس نسخے کی ضخامت چھتیس صفحات ہے شروع میں صفحہ پر مصنف کا ایک "اعلان" بہ شکل نظم شامل ہے۔ اس نظم میں مصنف نے پہلے تو کلیات کے شائع ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے اور کہا ہے کہ دوستوں کے اصرار پر اس کو شائع کیا جا رہا ہے ورنہ مصنف اس کی اشاعت کے حق میں نہیں ہے پھر اس کلیات کی زبان، محاورے اور اشعار کی سلاست اور روانی وغیرہ پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے مصنف نے اردو کو خود اپنی زبان بتاتے ہوئے فخر کیا ہے ؎

فنِ شاعری میں ایسے تو سارا جہان ہے — اردو کہا ہے جس کو وہ تیری زبان ہے
تمہید اس کی وہ ہے کہ قربان جائیے — جس نے سنا کہا کہ ابھی پھر سنائیے
صدقے میں پیاری پیاری تری بول چال کے — تیرے تو شعر گئے ہیں دل نکال کے

"کلیاتِ جلال" میں سب نظمیں شامل ہیں، غزل کوئی نہیں ہے یہ نظمیں تعداد میں آٹھ ہیں جو زیادہ تر مثنوی کے انداز کی ہیں اور اس عہد کی عام مثنویوں کی طرح حمد، نعت اور منقبت کے چند اشعار سے شروع کی گئی ہیں۔ لیکن کچھ نظمیں قصیدے ہیئت کو ظاہر کرتی ہیں اور چند مخمس اور مسدس کی صورت میں ہیں۔ کلیات کے سرورق ہی پر ان نظموں کے عنوانات دے دئے گئے ہیں مثلاً

(۱) ہندوستانی بیاہ (۲) خواب نامہ جلال (۳) خطبہ عیدالفطر (۴) جگ کہانی (۵) قصہ جاڑا بخار (۶) سفر نینی تال (۷) آثارِ موت سے ہدایت نامہ (۸) سوتوں کی لڑائی۔

یہ کلیات ۱۹۰۴ء میں دوسری مرتبہ اور ۱۹۲۴ء میں آخری مرتبہ شائع ہوئی (۱۹۲۴ء میں تاج الدین تاج نے غالباً بدایوں کے کسی پریس سے طبع کرائی تھی) پہلی بار کب اور کہاں سے اس کی اشاعت ہوئی، ابھی تک مجھے معلوم نہیں ہو سکا ہے۔ ویسے کلیات میں کئی جگہ ایسے اشعار ملتے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ جلال کی زندگی کے آخر حصے میں پہلی مرتبہ شائع ہوئی اور وہ عہدِ غالب اور داغ کے آس پاس کا تھا۔ جیسے

شاعری تو داغ اور غالب میں ہے
میں لکھوں گا جو مرے قالب میں ہے

عمر گزری ہے مری پچپن سال
اس زمانے کا جیسا دیکھا حال

اس قدر میں بیان کرتا ہوں
دوستوں پہ گمان کرتا ہوں

جلال کی شاعری کے مطالعے سے کئی اہم باتیں میرے سامنے آئیں۔

(۱) اس عہد کی معاشرت، جس کی برائیوں کو زیادہ تر طنز کا نشانہ بنایا گیا ہے۔

(۲) پیلی بھیت کے علاقے کی زبان، جو بعض لفظوں، ترکیبوں اور محاوروں میں دہلی اور اس کے نواح کی زبان سے بہت زیادہ مماثلت رکھتی ہے۔

(۳) نظموں میں مختلف افراد (مرد اور عورتوں) کے مکالموں کا لہجہ اور ان کی گفتگو کا انداز جس پر دہلی اور لکھنؤ دونوں مقامات کا ملا جلا اثر جھلکتا ہے لیکن واضح رجحان دہلی ہی کے لہجے کا ہے۔

(۴) نظموں کے موضوعات، جو اس عہد کے مستند نظم گو شاعروں کی شاعری سے ملتے ہیں۔

باقی صفحہ ۹ سے آگے

یہ اردو کے ادیبوں اور شاعروں کا آخری خراجِ عقیدت نہ تھا، یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ گذشتہ پچیس سال میں اردو نظم و نثر میں گاندھی جی پر اس کثرت سے لکھا گیا ہے کہ بلا خوفِ تردید انھیں اردو کا ایک اہم موضوع قرار دیا جا سکتا ہے۔

ڈاکٹر ابو محمد سحر

گاندھی جی اور اردو ادب

(گذشتہ سے پیوستہ)

اردو شاعری کا عام رجحان ہمیشہ سے روحانیت، حق و انصاف، انسانی ہمدردی اور مذہبی رواداری کی طرف رہا ہے۔ اس کی اخلاقی تعلیم میں سب سے زیادہ زور درد مندی، بے غرضی، سادگی اور نفس کشی ہی پر دیا گیا ہے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد حب الوطنی، قوم پرستی اور حریت پسندی کے نئے جذبات اور شعور کو بھی اس میں خاطر خواہ فروغ حاصل ہوا۔ حالی کی مثنوی حب وطن، اقبال کی نظمیں ہمالہ، تصویر درد، ترانۂ ہندی، نیا شوالہ اور چکبست کی نظم خاک ہند ہندوستانی سیاست میں گاندھی جی کے نمایاں ہونے سے پہلے لکھی جا چکی تھیں۔ اس لئے یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ اردو شاعری میں حب الوطنی اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے رجحانات گاندھی جی کے زیر اثر شروع ہوئے یا پروان چڑھے لیکن اس میں شک نہیں کہ آگے چل کر ان عناصر کو مضبوط کرنے میں جہاں اور قوتوں نے کام کیا وہاں ایک بڑی قوت گاندھی جی کی بھی تھی۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ فرقہ پرستی کے سیلاب عام میں بھی اردو کے اکثر ممتاز شعرا نے صدق دل سے ہندو مسلم اتحاد، مذہبی بے تعصبی اور عدم تشدد کی تلقین کی اور قومی تصورات میں ان باتوں کو گاندھی جی نے جو بنیادی اور واضح اہمیت دی تھی، وہ ان کی نظروں سے کبھی اوجھل نہیں ہوئی۔

معاصرانہ اردو شاعری کے جن دوسرے اہم رجحانات پر گاندھی جی کا اثر پڑا وہ تحریک آزادی کی پرجوش حمایت، سامراج دشمنی اور عوام دوستی ہیں۔ ہمارا ملک مکمل آزادی کے مطالبے اور برطانوی سامراج کی غیر مشروط مخالفت سے پہلی بار گاندھی جی کی قیادت ہی میں آشنا ہوا تھا۔ انھیں کی رہنمائی میں ہماری قومی تحریک مکمل آزادی اور سامراج دشمنی کی تحریک میں تبدیل ہوئی، اس میں انقلابی جوش و خروش پیدا ہوا اور بالآخر ملک بدیسی سامراج سے آزاد ہوا۔ چنانچہ قومی سیاست میں ان میلانات کے آغاز سے آزادی کے حصول تک ملک کی فضا اردو شعر کی ولولہ انگیز نظموں اور اشعار سے جس طرح گونجتی رہی اس میں گاندھی جی کے انقلابی تصورات اور سرگرمیوں کا پرتو صاف طور پر دکھائی دیتا ہے۔ اسی زمانے میں اردو شعرا نے افلاس و ناداری کے مسائل اور مزدوروں اور کسانوں کی زندگی پر بھی جس انداز سے قلم اٹھایا اس میں گاندھیائی نقطۂ نظر کا اثر جا بجا نمایاں ہے۔

اردو نثر میں گاندھی جی کا اثر قبول کرنے والے ادیبوں میں جس طرح پریم چند کا نام سب سے اہم ہے اسی طرح اردو شعرا میں اگر ہم کسی ایک شاعر کا نام لینا چاہیں تو وہ شاعر انقلاب جوش ملیح آبادی ہیں۔ جوش کی شاعری اگرچہ سیاسی اور سماجی مسائل تک محدود نہیں ہے اور بحیثیت مجموعی ان کا سیاسی اور سماجی نقطۂ نظر بھی گاندھی جی سے مختلف ہے لیکن حب الوطنی، آزادی، سامراج دشمنی، فرقہ وارانہ اتحاد اور افلاس و ناداری کے موضوعات پر جا بجا انھوں نے جس انداز سے طبع آزمائی کی ہے وہ انھیں گاندھیائی نظریات و خیالات سے کافی قریب کر دیتا ہے۔ مثلاً آزادی پر ان کا ایک قطعہ ہے:

سنو اے بستگان زلف گیتی
ندا کیا آ رہی ہے آسماں سے
کہ آزادی کا اک لمحہ ہے بہتر
غلامی کی حیات جاوداں سے

ہندو مسلم اتحاد کے موضوع پر ان کی ایک چھوٹی سی نظم بہتے ہوئے خون کی برادری کے آخری دو شعروں میں گاندھیائی طرز فکر اور رجائیت کا عکس دیکھئے۔

یاد رکھو جذبۂ غیرت میں جوش آجائے گا
خوں بہا تو ہندو و مسلم کو ہوش آجائے گا

حبیب اللہ ذکا مرحوم
مرسلہ عبد الوہاب تبسم

تاریخ رحلت حضرت غالب

میرے استاد معنوی غالب
ان کا ہر لفظ معنی اعجاز
وحدہ لاشریک لہ کی قسم
ایک فن سخن میں بے انباز
ایسی قسمت کہاں جو میں کرتا
پردہ چشم صرف پا انداز
ہاں سنا ہے کہ ان کے تھے کردار
جیسے گفتار حافظ شیراز
کیا عجب ہے جو دوست سے ہے
بخش بھی دے کریم نکتہ نواز
ہند کے انوری و سعدی تھے
شفق اس پہ ہیں سخن پرداز
بارے فردوس میں گئے مر کر
در رحمت بروئے روحش باز
خود ہی فرما گئے ہیں یہ مقطع
پیش بینی کا دیکھنا انداز
"اسد اللہ خاں تمام ہوا
اے دریغا وہ رند شاہد باز"
پہلے مصرع سے تا بہ آخر شعر
سال تاریخ کا ہے جلوہ طراز
غیب دانی صفت خدا کی ہے
اک عدد کی کمی میں تھا یہ راز

چھوڑا اپنا باپ وطن گھل جائے گا   خاک پر بیٹھے ہیں دونوں کا ہرن جائے گا

اس موضوع پر ایک دوسری مختصر نظم میں کہتے ہیں۔

سنتے ہیں طوفاں میں ڈوبا ہوا تھا اک درخت
جس کی چوٹی پر ڈرے بیٹھے تھے دو آشفتہ بخت
ایک ان میں سانپ تھا اور ایک سہما نوجواں
دو عدووں کا ایک جھکی شاخ پر تھا آشیاں
سچ ہے درد مشترک میں ہے وہ روح اتحاد
عشق میں جس سے بدل جاتے ہیں آئین عناد
لیکن اے غافل مسلمانو مدبر ہندو ہو
ہند کے سیلاب میں اک شاخ پر تم بھی تو ہو

ضعیفہ، جوش کا ہندوستان اور کسان جیسی نظموں میں جہاں تک مسائل کے پیش کرنے کا تعلق ہے گاندھیائی دردمندی کا عنصر جاری و ساری ہے حالانکہ مسائل کے حل تک پہنچتے پہنچتے ان کا راستہ مختلف ہو گیا ہے۔ کسان کی یہ تصویر اس موضوع پر گاندھی جی کے دردمندانہ انداز نظر سے کتنی قریب ہے۔

ہل پہ دہقاں کے چمکتی ہیں شفق کی سرخیاں
اور دہقاں سر جھکائے گھر کی جانب ہے رواں
اس سیاسی رتھ کے پہیے پر جمائے ہے نظر
جس میں آجاتی ہے تیزی کھیتیوں کو روند کر
اپنی دولت کو جگر پر تیر غم کھاتے ہوئے
دیکھتا ہے ملک دشمن کی طرف جاتے ہوئے
قطع ہوتی ہی نہیں تاریکیٔ حرماں سے راہ
فاقہ کش بچوں کے دھندلے آنسوؤں پر ہے نگاہ
سوچتا جاتا ہے کن آنکھوں سے دیکھا جائے گا
بے ردا بیوی کا سر بچوں کا منہ اترا ہوا
سیم و زر نان و نمک آب و غذا کچھ بھی نہیں
گھر میں اک خاموش ماتم کے سوا کچھ بھی نہیں

اردو ادب پر گاندھی جی کے اثرات مختلف حیثیتوں سے پڑ چکے تھے کہ ترقی پسند تحریک کا آغاز ہوا۔ اس تحریک کے زور شور میں اردو کے اکثر ادیبوں اور شاعروں کا دھیان گاندھیائی نظریات و خیالات سے ہٹ گیا۔ حصول آزادی کے موقع پر تحریک آزادی اور فرقہ وارانہ اتحاد کے اس عظیم رہنما کی شخصیت ایک بار پھر سب کی توجہ کا مرکز بن گئی لیکن افسوس ہے کہ احترام و عقیدت کے جو جذبات لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوئے تھے وہ بہت جلد اس کی مرثیہ خوانی میں صرف ہوئے۔ گاندھی جی کی شہادت نے نہ صرف سارے ملک میں رنج و غم کی لہر دوڑا دی بلکہ ان کی عظمت کے احساس کو شدید سے شدید تر کر دیا۔ حق و انصاف کی راہ میں ان کی عظیم قربانی پر اردو میں درد انگیز مرثیے اور مضامین لکھے گئے اور ان کی عظیم ہستی کو خراج عقیدت پیش کیا گیا۔ لیکن

(باقی صفحہ ۹ پر)

مراسلات

مرزا غالب کو مولانا ابوالکلام آزاد (مرحوم) کا خراج عقیدت

ہماری زبان مورخہ یکم فروری ۱۹۶۹ء میں جناب ابوسلمان نے یوم غالب کے ایک اجتماع میں مولانا ابوالکلام آزاد کی تقریر کے متعلق خواہش ظاہر کی ہے کہ اسے صراحت کے ساتھ ہماری زبان میں اشاعت کے لئے ارسال کیا جائے۔ اس ضمن میں میری معلومات حسب ذیل ہیں۔

۱۸ فروری ۱۹۵۱ء کو غالب کی ۸۲ ویں برسی انجمن ترقی اردو ہند کی شاخ دہلی کے زیر اہتمام مزار غالب پر منائی گئی جس کا افتتاح امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد نے فرمایا تقریب کی روداد "انجمن کی خبریں" کے زیر عنوان ہماری زبان مورخہ یکم مارچ ۱۹۵۱ء کے صفحہ ۷، ۸ پر شائع ہوئی ہے اس میں پہلے تو جلسہ کے معزز حاضرین کے اسمائے گرامی درج کئے گئے ہیں پھر صدر جلسہ کا مختصر خطبۂ صدارت اور مقالہ نویس و کچھ مقررین کی مختصر تقریریں شائع ہوئی ہیں اور اس وقت کے انجمن ترقی اردو ہند کے جنرل سکریٹری قاضی عبدالغفار مرحوم کے ایک یادگار اور تاریخی پیغام پر روداد کا اختتام ہوا ہے مولانا آزاد کی تقریر کا اختصار روداد کے درمیانی حصے میں شائع ہوا ہے البتہ اخبار مدینہ بجنور کی اشاعت مورخہ ۲۵ فروری ۱۹۵۱ء کے صفحہ ۶ پر مولانا کی افتتاحی تقریر قدرے تفصیل سے اس طرح شائع ہوئی ہے۔

"دہلی ۱۸ فروری ۱۹۵۱ء۔ ہمارا ملک آج ایک ایسی منزل سے گزر رہا ہے۔ جہاں ہماری تمام توجہات ملکی سیاست پر مرکوز ہیں اگر سیاست سے کسی وقت مہلت ملتی ہے تو اک کی اقتصادی الجھنیں ہمارے سامنے آتی ہیں اور ہماری توجہات کو اپنی جانب کھینچ لیتی ہیں لیکن مجھے یہ دیکھ کر مسرت ہوتی کہ ان ہی حالات میں بعض دوستوں کو یہ بھی یاد آیا کہ آج سے ۸۲ برس پہلے اسی دہلی میں اور اسی مہینے میں مرزا غالب کا انتقال ہوا تھا۔

مولانا نے اس کے بعد فرمایا کہ مجھے خوشی ہے کہ ان دوستوں کی بدولت ہمیں آج یہ موقع ملا کہ مرزا غالب کے مرقد پر جمع ہو کر ہم اس سرزمین سے پوچھیں کہ

تو نے وہ گنج ہائے گرانمایہ کیا کئے

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مرزا غالب علم و ادب کا ایک بیش قیمت سرمایہ تھے اور علم و ادب کو جو دولت غالب اور میر انیس نے بخشی ہے وہ اردو کے دوسرے شاعروں کے حصہ میں نہیں آئی گو غالب کو خود اپنی فارسی شاعری پر ناز تھا لیکن ایک ہندوستانی ہونے کی حیثیت سے وہ فارسی شاعروں کے ایک

کامیاب مقلد ہو سکتے تھے مجتہد نہیں۔ ان کی شان اجتہاد فن کا کمال اور اعلیٰ تخیل آرائی کا جو نمونہ اردو شاعری میں ملتا ہے فارسی میں مل نہیں سکتا۔

مولانا نے غالب کے چند اشعار پڑھتے ہوئے بتلایا کہ مرزا نے ایک طرف اردو نظم میں بلند سے بلند فکر و تخیل اور نازک خیالی کے جوہر بھرے اور دوسری طرف نثر میں سہل رواں اور اعلیٰ طرز تحریر کے وہ نمونے پیش کئے کہ ان کی بدولت اردو زبان جس کی عمر کچھ زیادہ نہیں تھی اور آج بھی کچھ زیادہ نہیں ہے۔ ہندستان کی زبانوں میں اتنا وسیع درجہ رکھتی ہے کہ بین الاقوامی زبانوں اور علم و ادب کی صف میں اگر ہندوستان کی طرف سے کسی زبان کا نام لیا جا سکتا ہے تو وہ صرف اردو یا بنگالی ہے۔ یہ یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ پورے دنیا کی علم و ادب میں اردو یا بنگالی زبانوں نے ایک ایسا قابل قدر اضافہ کیا ہے جس کے بغیر ایک بڑی جگہ خالی رہتی۔ مولانا نے زور دیتے ہوئے فرمایا۔ آج بین الاقوامی ادب میں یہ درجہ ہندوستان کی کسی دوسری زبان کو حاصل نہیں ہے۔

جس طرح بنگالی زبان کو یہ درجہ ٹیگور کی شاعری نے بخشا ہے اسی طرح اردو کو یہ بحیثیت سرمایہ مرزا غالب کی مجتہدانہ شان اور فکر و نظر نے بخشا ہے اور ان کے بعد اگر کسی دوسرے شاعر کا نام لیا جا سکتا ہے تو وہ میر انیس لکھنوی ہیں۔" (محمد ظہیر دارثی۔ کاشی)

مولانا ابوالکلام آزاد پر یونیورسٹیوں میں تحقیقی کام

ایک اندازے کے مطابق مولانا آزادؒ پر اب تک اردو، انگریزی وغیرہ میں پچاس سے زائد کتابیں، تیس سے زائد جرائد کے خصوصی نمبر اور بے شمار مقالات شائع ہوئے ہیں۔ یہ تمام کام جو اب تک ہوا ہے مصنفین نے اپنے ذاتی شوق اور دلچسپی کی بنا پر کیا ہے۔ مولاناؒ کے علوم و معارف کی اشاعت اور ان پر علمی و تحقیقی کام کے لئے ابھی تک کوئی ایسی منظم تحریک پیدا نہیں ہو سکی جیسی کہ خالص سیاسی مصالح کی بنا پر بعض شخصیتوں کے تذکرہ و تعارف کے لئے تحریکیں اٹھی ہیں۔ لیکن یہ بات ہمارے لئے ابوالکلام کے ایک عقیدت مند کی حیثیت سے قابل رشک نہیں۔ ہماری یہ خواہش ہے کہ مولانا آزاد کا تذکرہ و تعارف اور ان پر علمی و تحقیقی کام کبھی غیر علمی مصلحت پر مبنی نہ رہے۔

مولاناؒ کے انتقال کو بہ سال ۲۲ر فروری ۱۹۶۹ء کو پورے گیارہ برس ہو گئے۔ اس دوران میں مولاناؒ پر جو علمی و تحقیقی کام ہوا ہے وہ اپنی کیفیت و کمیت کے لحاظ سے بہت امید افزا ہے اور جن حضرات کی نظر مطالعہ و تحقیق کے رجحان پر ہے وہ اس رفتار سے مایوس نہیں ہیں۔

یونیورسٹیوں میں بھی مولانا پر تحقیق کی جانب توجہ دی گئی ہے۔ اب تک مختلف درجات کے آٹھ مقالات لکھے گئے ہیں اور ان پر ڈگریاں دی جا چکی ہیں۔ یقیناً کچھ مقالات زیر تکمیل بھی ہوں گے لیکن ان کا علم نہیں ہو سکا۔ ذیل میں پاکستان اور ہندوستان کی یونیورسٹیوں میں لکھے ہوئے مولاناؒ پر تحقیقی مقالات کا اشاریہ دیا جا رہا ہے۔

شمار	مقالہ نگار کا نام	عنوان	یونیورسٹی کا نام
	پی۔ ایچ۔ ڈی:۔		
۱۔	شرافت مرزا، ڈاکٹر	مولانا آزاد کی ادبی خدمات (۱۹۶۱ء)	دہلی یونیورسٹی دہلی
۲	مغیث الدین فریدی*	ابوالکلام آزاد	لکھنؤ یونیورسٹی لکھنؤ
۳۔	ملک زادہ منظور احمد، ڈاکٹر	ابوالکلام آزاد کی ادبی خدمات (۱۹۶۷ء)	گورکھپور یونیورسٹی گورکھپور
	ایم۔ اے:۔		
۴۔	چونی لال پنڈت	مولانا ابوالکلام آزاد (۱۹۶۰ء)	جموں کشمیر یونیورسٹی جموں
۵۔	زبیر صدیقی محمد	مولانا ابوالکلام آزاد کی ادبی خدمات	سندھ یونیورسٹی حیدرآباد (پاکستان)
۶۔	محمد سراج الدین قاضی	ابوالکلام آزاد مکاتیب کی روشنی میں (۱۹۶۶ء)	سندھ یونیورسٹی حیدرآباد (پاکستان)
۷۔	یزدانی محمد عبدالحمید	مولانا ابوالکلام آزاد کی نثر (۱۹۵۴ء)	پنجاب یونیورسٹی لاہور (پاکستان)
	ایم۔ ایڈ:۔		
۸۔	رزاق فاروقی	مولانا ابوالکلام آزاد کے تعلیمی نظریات (۱۹۶۰ء)	جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد (دکن)

(از: ابوسلمان شاہجہانپوری)

*مغیث الدین فریدی نے اس موضوع پر تحقیق کرنے کے لئے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں داخلہ لیا تھا، مگر کچھ عرصے بعد انھوں نے اپنا موضوع بدل دیا اور دہلی یونیورسٹی میں کسی اور موضوع پر کام کر رہے ہیں۔ (ادارہ ہماری زبان)

انجمن ترقی اردو بنارس میں یوم غالب

بنارس۔ انجمن ترقی اردو بنارس کی جانب سے ۱۵ر فروری ۱۹۶۹ء کو مرزا غالب کی یادگار میں ایک جلسہ کا اہتمام کیا گیا۔ جلسہ کی صدارت جناب سید اشتیاق حسین صاحب شوق ایڈوکیٹ بنارس نے فرمائی۔ صدر جلسہ نے اپنی افتتاحیہ تقریر میں فرمایا کہ اردو کے عظیم شاعر مرزا غالب کو بنارس سے ایک خاص لگاؤ تھا اور ان کا یہ لگاؤ اور تعلق ان کی مثنوی چراغ دیر سے بخوبی واضح ہے۔ مرزا غالب بنارس کی تمدنی و تہذیبی عظمت کے قائل تھے۔ موصوف نے یہ بھی کہا کہ اگرچہ اپنی زندگی میں مرزا کی وہ قدر نہیں ہوئی جس کے وہ مستحق تھے لیکن یہ بات بھی کچھ کم اہم نہیں ہے کہ وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ جیسے جیسے مرزا کے کلام کی عظمت و وقعت کا احساس ہو رہا ہے ویسے ویسے ان کی قدر و محبت عوام کے دلوں میں گھر کرتی جا رہی ہے۔ ہم سب کا یہ فرض ہے کہ ان کے پیغام کو انھیں کی زبان میں گھر گھر پہنچائیں صدارتی تقریر کے بعد آفتاب احمد صاحب، بدیع الزماں صاحب، مولانا احمد حسن صاحب، ڈاکٹر حکم چند نیّر، عبدالقدوس صاحب نیرنگ اور عزیز بنارسی نے غالب کے فکر و فن پر روشنی ڈالی۔ اس کے بعد ایک شعری نشست زیر صدارت جناب آغا رفیع منظر منعقد ہوئی جس میں شعراء نے اپنے منتخب کلام سے سامعین کو محظوظ فرمایا۔ آخر میں انجمن ہٰذا کے نائب صدر جناب ڈاکٹر حکم چند نیّر نے شعرائے کرام بعض زین اور حاضرین جلسہ کا شکریہ ادا کیا اور جلسہ ۷ بجے شام ختم ہوا۔ (دا آنا رسول سکریٹری)

انجمن ترقی اردو نیلور کی جانب سے غالب صدی تقریب

نیلور۔ انجمن ترقی اردو نیلور کی جانب سے بتاریخ ۱۵ر فروری گاندھی نگر کالج نیلور میں غالب صدی کے سلسلے میں تین پروگرام منعقد ہوئے۔ ان پروگراموں میں جناب ایم۔ بی۔ شاستری ایم۔ اے ایل۔ ایل بی ڈسٹرکٹ جج بطور مہمان خصوصی شامل تھے۔ جلسۂ مقالات کی صدارت جناب ایس ایم عباس رضا زیدی صاحب ایم اے ایل ایل ایم نے فرمائی۔ ڈاکٹر فضل اللہ صاحب اور ڈاکٹر سلیمان اطہر جاوید صاحب نے غالب کی شخصیت اور فکر پر مقالے پیش کئے اس کے بعد مشاعرہ ہوا جس کی صدارت ڈاکٹر اطہر جاوید نے فرمائی۔ مشاعرہ کے بعد غالب کی غزلیں ممتاز فنکاروں نے سنائیں۔ (نامہ نگار)

انجمن ترقی اردو مدھیہ پردیش کے وفد کی لسانی اقلیتوں کے کمشنر سے ملاقات

بھوپال۔ مدھیہ پردیش انجمن ترقی اردو کے ایک وفد نے لسانی اقلیتوں کے کمشنر سے دہلی بھون میں ملاقات کی۔ اس وفد میں ریاست بھوپال کے سابق وزیر اعظم پنڈت چتر نرائن مالویہ جناب ممنون حسن خاں، ایم پی انجمن کے سکریٹری جناب حسنات صدیقی، بھوپال انجمن کے نائب صدر، جناب اسرار مسعود، جنرل سکریٹری پروفیسر حسن مسعود، انجمن ترقی اردو لکھنؤ دہ کے صدر ڈاکٹر خورشید احمد اور انجمن ترقی اردو جاورہ کے نائب صدر جناب محمد شفیق شامل تھے۔ اس وفد نے تفصیل کے ساتھ اردو کے سلسلے میں ناانصافی کا گلہ کیا اور کمشنر کو ایک میمورنڈم پیش کیا اور بتایا کہ مدھیہ پردیش کے اردو بولنے والوں کے یہ مطالبات اس سے قبل ۱۹۶۷ء میں انجمن کی طرف سے گورنر صاحب مدھیہ پردیش وزیر اعلیٰ، اور وزیر تعلیم کی خدمت میں پیش کئے جا چکے ہیں۔ لیکن اس کے بارے میں ابھی تک حکومت نے کوئی کارروائی نہیں کی ہے اگرچہ اس سلسلے میں کئی بار یاد دہانی بھی کی گئی۔ اس لئے اب یہ مطالبات کمشنر لسانی اقلیتوں کے سامنے از سر نو رکھے جا رہے ہیں کہ وہ اس سلسلے میں ضروری کارروائی کریں یہ مانگیں حسب ذیل ہیں۔

بھوپال میں اردو تحقیق مرکز کا قیام عمل میں لایا جائے

اردو بولنے والے مدھیہ پردیش کی سب سے اہم لسانی اقلیت ہیں۔ یہ لسانی اقلیت ہندوستان کی کسی ایک ریاست میں مرکوز نہیں ہے۔ بلکہ اس کا علاقہ تقریباً وہی ہے جو ہندی بولنے والوں کا ہے۔ ہم توقع کرتے ہیں کہ ہندی بولنے والے علاقوں کی حکومتیں اردو بولنے والوں کے مفادات کا بھی تحفظ کریں گی۔ اس لئے مناسب ہوگا کہ ان سب ریاستوں میں اردو کی اعلیٰ تعلیم اور تحقیق کا کم از کم ایک مرکز قائم کیا جائے۔ اس طرح کے مرکز پوسٹ گریجویٹ یونیورسٹی ڈپارٹمنٹ کے ذریعہ قائم کئے جا سکتے ہیں جن کا سربراہ ایک پروفیسر ہو۔ دلی۔ یو۔پی بہار۔ اور راجستھان میں اس طرح کے شعبہ ہیں۔ صرف مدھیہ پردیش میں اردو کی اعلیٰ تعلیم کا کوئی مرکز نہیں ہے۔ بھوپال اس کے لئے سب سے مناسب جگہ ہے کیونکہ وکرم یونیورسٹی اجین نے طے کیا ہے کہ وہ اپنے تعلیمی شعبہ اجین سے باہر قائم نہیں کرے گی۔ اور بھوپال میں یونیورسٹی کا قیام خواب و خیال کی بات ہے۔ ان حالات میں بھوپال میں ایک اردو تحقیقی ادارہ کا قیام اس کا واحد حل ہے۔ اس قسم کے ادارہ کے لئے یہاں ضروری لوازمات پہلے سے موجود ہیں مثال کے طور پر قیمتی مخطوطات سنٹرل لائبریری۔ بھوپال میں بغیر کسی مناسب دیکھ بھال کے پڑے ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ یہاں لوگوں کے پاس قدیم اردو کتابوں اور مخطوطات کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے جو خریدا جا سکتا ہے اور اس تجویزہ

ادارہ کے ذریعہ ادب کے اس قیمتی خزانے سے استفادہ حاصل کیا جاسکتا ہے اور ان کو تباہ ہونے سے محفوظ رکھا جاسکتا ہے۔ یہ مجوزہ ادارہ جب قائم کیا جائے تو اسے وکرم یونی ورسٹی تسلیم کرے۔ اس کے علاوہ ہر ہائنس بیگم صاحبہ بھوپال کی ذاتی لائبریری، اور حمیدیہ کالج۔ لائبریری میں قیمتی کتابیں اور مخطوطات موجود ہیں۔ اس ادارے میں کام کرنے والے اسکالرس ان سے بھی فائدہ اٹھاسکتے ہیں۔ اس طرح یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ بھوپال میں اس قسم کے ادارے کے قیام کے لئے مناسب ترین حالات پائے جاتے ہیں۔

شاسن ساہتیہ اکیڈمی میں اردو شامل کی جائے مدھیہ پردیش حکومت نے ایک شاسن ساہتیہ پریشد قائم کی ہے۔ لیکن اس کی سرگرمیوں میں اردو شامل نہیں ہے ہماری درخواست ہے کہ اس میں اردو کو بھی شامل کیا جائے اور اردو کے نمائندے اس کی مختلف کمیٹیوں میں شامل ہوں۔

اردو کتابوں کو انعام دیا جائے یہ بھی درخواست کی جاتی ہے کہ مدھیہ پردیش حکومت مدھیہ پردیش کے اردو مصنفوں کی کتابوں پر انعام دینے کا طریقہ شروع کرے خواہ وہ مدھیہ پردیش سے باہر شائع ہوئی ہوں۔ اس بارے میں مدھیہ پردیش اتر پردیش حکومت کا طریقہ اپنا سکتا ہے۔ انتخاب میں پوری غیر جانبداری برقرار رکھنے کے لئے ریاست سے باہر کے اردو نقادوں کی ایک انعامی کمیٹی سنٹرل ساہتیہ اکیڈمی کی اردو کمیٹی کے کنوینر کے مشورے سے مقرر کی جائے۔

پبلسٹی ڈپارٹمنٹ کی طرف سے اردو رسالہ کی اشاعت ہو

(الف) مدھیہ پردیش کے محکمہ انفارمیشن اور پبلسٹی کی طرف سے ایک ماہوار اردو رسالہ نکالا جانا چاہئے اس کا ایک حصہ سرکاری پبلسٹی اور باقی اردو ادب سے متعلق ہونا چاہئے اس قسم کے رسالے یو۔ پی۔ راجستھان۔ بہار۔ آندھرا پردیش۔ کشمیر۔ میسور۔ مغربی بنگال اور پنجاب کی حکومتیں نکال رہی ہیں۔ (ب) انفارمیشن اور پبلسٹی ڈپارٹمنٹ کی طرف سے اردو اخبارات کو اردو میں خبریں اور دیگر پبلسٹی میٹریل مہیا کرنے کا انتظام کیا جائے۔ صرف بھوپال سے تین اردو روزنامے اور دو ہفتہ وار اخبار شائع ہوتے ہیں۔ جو مدھیہ پردیش کے ایک بڑے حصے میں پہونچتے ہیں۔ اس مقصد کے لئے پبلسٹی اور انفارمیشن محکمہ میں ایک الگ اردو سیکشن قائم کیا جائے۔

مختلف کالجوں میں اردو میں تعلیم کا انتظام محکمہ تعلیم سے یہ کہا جائے کہ وہ اندور گرلز کالج کھرگون، رتلام، کھنڈوا، بریلی اور دتیا کے سرکاری کالجوں میں اردو کلاسیں کھولے۔

اردو ٹیچرز ٹریننگ کالج قائم کیا جائے بھوپال یا برہانپور میں اردو ٹیچرز ٹریننگ کالج قائم کیا جائے۔

۱۲ مئی ۱۹۶۶ء کو ریاستی وزیر تعلیم کی خدمت میں حسب ذیل درخواستیں پیش کی گئیں جن پر ابھی تک کوئی کارروائی عمل میں نہیں لائی گئی۔ ریاستوں کی تنظیم نو کے بعد مرکزی حکومت نے ریاستوں کو مشورہ دیا کہ وہ اپنی لسانی اقلیتوں کو ان کی مادری زبان میں تعلیم دینے کا مناسب انتظام کریں۔ لسانی اقلیتوں کا ایک مستقل کمیشن بھی مرکزی حکومت نے مقرر کیا۔ مرکزی حکومت کی ان سفارشات کو سامنے رکھتے ہوئے مدھیہ پردیش سرکار کے جنرل ایڈمنسٹریشن ڈپارٹمنٹ نے ایک سرکولر نمبر (۳) ۱/۷۱۹/No. 3705 مورخہ ۲۵ اکتوبر ۱۹۶۱ء شائع کیا۔ اس سرکولر کے مطابق ۱۹۵۱ء کی مردم شماری کی بنیاد پر بھوپال کو اردو بولنے والا علاقہ قرار دیا گیا۔ ۱۹۵۱ء کی مردم شماری رپورٹ میں بھوپال شہر میں اردو بولنے والوں کی تعداد آبادی کا ۵۰ فیصدی بتائی گئی ہے اس سرکولر میں واضح طور پر ہدایت کی گئی ہے کہ ایڈمنسٹریشن میں اردو کا استعمال کیا جائے اور ان تمام طلبہ کو پوری سہولت دی جائے جو اردو کو ذریعہ تعلیم بنانا چاہتے ہیں باوجود متعدد یاد دہانیوں کے محکمہ تعلیم نے ان سفارشات پر عمل نہیں کیا۔ انجمن ترقی اردو بھوپال نے لسانی اقلیتوں کے کمیشن کے سامنے جب وہ ۱۹۶۲ء میں بھوپال آیا تو اردو کا معاملہ رکھا لیکن ابھی تک محکمہ تعلیم نے نہ تو اردو میڈیم اسکول کھولے اور نہ ہی اردو کے نمبروں کو نتائج میں شامل کیا جاتا ہے۔ اسی طرح ہائر سکنڈری اسکولوں میں اردو ٹیچروں کو لیکچرر مقرر نہیں کیا گیا اس لیے اب پھر یہ وفد ان مانگوں کو اس کمیشن کے سامنے دہراتا ہے کہ بھوپال میں۔ (۱) دوسری زبانوں کی طرح اردو کو پرائمری سے جونیر کالج تک ذریعہ تعلیم بنایا جائے۔

(۲) پرائمری اسکولوں میں اردو کی تعلیم کا مناسب انتظام کیا جائے اور اردو کے نمبر امتحان کے نتائج میں شامل کئے جائیں۔

(۳) اردو کورس بکس کی اشاعت کا حکومت کی طرف سے انتظام کیا جائے۔

(۴) کم از کم چار پرائمری۔ چار مڈل اور دو جونیر کالج اردو میڈیم کے بھوپال میں قائم کئے جائیں۔

(۵) جونیر کالجوں میں اردو لیکچرروں کی پوسٹس شائع کی جائیں۔

آل انڈیا ریڈیو بھوپال میں باقاعدہ اردو سیکشن ہو

کافی دن قبل یہ درخواست آل انڈیا ریڈیو کے ایڈوائزر

ڈاکٹر عابد حسین کی خدمت میں پیش کی جا چکی ہے جو اس سلسلے میں بھوپال آئے تھے اور پتہ چلا ہے کہ انھوں نے اس مقصد کی سفارش بھی کی مگر اس کے باوجود بھوپال کے لوگوں (جن کی اکثریت کی زبان اردو ہے) کی یہ شکایت برقرار ہے۔ لسانی اقلیتوں کمیشن سے درخواست کی جاتی ہے کہ وہ اپنے اثرات استعمال کرکے ہماری اس جائز مانگ کو کہ بھوپال اسٹیشن پر اردو سکشن کھولا جائے پورا کرانے میں مدد کرے کمیشن کی اطلاع کے لئے یہ بتانا غلط نہ ہوگا کہ بھوپال اسٹیشن کے سنسکرت میں خبروں پر تبصرے نشر ہوتے ہیں اور ملیالم بولنے والوں کے لئے سبق بھی نشر ہوتے ہیں۔ اس طرح کے سبق اردو میں بھی شروع کئے جائیں۔

جاورا کالج میں ایم اے اردو کھولا جائے

۱۔ گورنمنٹ کالج جاورا میں ایم۔ اے (اردو) کھولا جائے

۲۔ پرائمری اسکول سے ہائر سکنڈری اسکول تک اردو کی تعلیم کا مناسب انتظام کیا جائے۔ (اس سلسلے میں درخواستیں بھی شامل کی گئیں جن پر جاورا کے ایم۔ ایل۔ اے معزز شہریوں اور طلبہ کے دستخط تھے)

لکھنڈ والوں میں اردو کے ساتھ زیادتی

ڈاکٹر خورشید احمد نے کھنڈوا سے متعلق اردو مطالبات کا ایک تفصیلی میمورنڈم پیش کیا جس میں اردو کے ساتھ زیادتیوں کا ثبوت کے ساتھ تذکرہ تھا۔ آپ نے مطالبہ کیا کہ ان ناانصافیوں کو ختم کرنے میں کمیشن اپنے اثرات استعمال کرے۔ (نامہ نگار)

شکاگو میں یوم غالب

شکاگو ۱۵ ؍ فروری ۱۹۶۹ء کی شب میں شکاگو یونی ورسٹی کے فاسٹر ہال میں ایک مجلس حرف وشعر منعقد ہوئی جس کی صدارت ڈاکٹر گوپی چند نارنگ نے کی۔ اس مجلس کا اہتمام انگریزی سماجی محفل اور شکاگو یونی ورسٹی کے جنوبی ایشیائی السنہ وثقافت کے شعبہ کی طرف سے کیا گیا تھا۔ ابتدا میں چودھری محمد نعیم نے شعبہ اور محفل کی طرف سے شرکاء بزم کا خیر مقدم کیا اور غالب کے خطوط سے اقتباسات کے ذریعے "غالب کی کہانی، ان ہی کی زبانی" پیش کی۔ بعد ازیں ڈاکٹر نارنگ نے "غالب کا محبوب" کے عنوان سے ایک دلچسپ اور پر از معلومات تقریر کی جس کے دوران میں انھوں نے سید عبداللطیف اور عبدالرحمان بجنوری کے متضاد خیالات کا موازنہ کرتے ہوئے یہ فیصلہ حاضرین کے سامنے پیش کیا کہ غالب کے کلام اور ان کے خطوط میں ایسے شواہد ملتے ہیں جن کی بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ غالب نے عشق کیا تھا اور بھرپور کیا تھا، لیکن یہ عشق نہ تو محض خیالی ہی رہا اور نہ اس کو خواہ مخواہ کی روحانیت کے پردہ میں چھپانے کی کوشش ناپختہ کی غالب تیرا ولی سمجھا، اس کے بعد حاضرین جلسہ نے بھی اپنے پسندیدہ غالب کے اشعار سنائے۔ یہ غالب کی مقبولیت کا ادنیٰ ثبوت ہے کہ حاضرین میں پاکستانی اور ہندوستانی ہندو اور مسلمان، سبھی شامل تھے اور اشعار سنانے والوں میں سے اکثر حضرات ایسے تھے جن کا اردو ادب سے براہ راست کوئی تعلق برسوں سے نہ رہا تھا۔ کوئی ڈاکٹر تھا کوئی انجینئر، کوئی ماہر معاشیات تھا تو کوئی تاریخ کا معلم۔

اس کے بعد شکاگو یونی ورسٹی کے سالانہ مشاعرہ کا آغاز ہوا۔ یہ مشاعرہ ۶۲ء سے ہر سال ہوتا ہے اور حسن اتفاق سے پہلے مشاعرہ کی صدارت بھی ڈاکٹر گوپی چند نارنگ نے ہی کی تھی۔ امسال شرکت کرنے والے شعراء میں شاداں ہندی، اے۔ کے۔ سلیم، سلمان ندوی اور ڈاکٹر انیس خاں کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ سخت سردی کے باوجود کافی تعداد میں لوگ شریک محفل ہوئے اور یہ کاروائی جو پوری کی پوری اردو میں ہوئی کوئی چار گھنٹے جاری رہی۔ (نامہ نگار)

بھوپال میں مرزا غالب کی سوویں برسی پر تقریب

بھوپال:- مدھیہ پردیش کی راجدھانی بھوپال میں ۱۵ ؍ فروری کو غالب کے سوویں یوم وفات پر صوبائی غالب صد سالہ تقریبات کمیٹی نے ایک شاندار جلسہ کیا۔ جلسہ کا افتتاح صوبائی وزیر وکل سلیف ڈاکٹر راما چرن رائے نے غالب کی تصویر کو پھول مالا پہنا کر کیا۔ اس جلسہ کی صدارت صوبائی کمیٹی کے نائب صدر اور وزیر امداد باہمی جناب عارف بیگ نے کی۔ ڈاکٹر رائے نے غالب کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں اس پر ناز ہے کہ غالب کا شمار ان شعراء میں کیا جا رہا ہے جن کے ادبی قد کو ناپنے کے لئے عالمی پیمانے کی ضرورت ہے۔ آپ نے کہا غالب خود سیکولر ذہن رکھتے تھے، انھوں نے اپنی شاعری اور اپنی زندگی کے ذریعہ ملک میں ایک صحیح سیکولر مزاج پیدا کرنے کی کوشش کی وہ صرف ہمارے آپ کے نہیں عالم انسانیت کے شاعر تھے۔ جناب صدر نے اپنی تقریر میں کہا کہ یہ جشن غالب دراصل جشن اردو ہے

غالب کو یاد کرتے وقت ہمیں اردو کو نہیں بھولنا چاہئے۔ غالب نے عالمی برادری میں اردو کے لئے جگہ بنانے کی کامیاب کوشش کی۔ صوبائی غالب تقریبات کمیٹی کے سکریٹری پروفیسر آفاق احمد نے ایم۔ پی کمیٹی جن پروگراموں کو بروئے کار لانے والی ہے ان کی تفصیلات پیش کیں۔ آپ نے کہا کہ علمی و ادبی اور عوامی سطح پر غالب صدی کے پروگرام ترتیب دئے گئے ہیں علمی و ادبی کاموں میں "نسخۂ حمیدیہ" کے تنقیدی ایڈیشن کی اشاعت کے علاوہ صہبا مجددی کی "مطالب غالب" نیا ایڈیشن، اردو ہندی انگریزی میں شاعر کی شخصیت و فن پر مضامین کے مجموعے شامل ہیں جبکہ مشاعرہ، مجلس مقالات، سمپوزیم، شام غالب اور دوسرے پروگراموں کے ساتھ بھوپال کے تالاب میں سطح آب پر رنگ و نور و نغمہ کا پروگرام بھی پیش کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ غالب کی موزوں اور شایان شان یادگاروں کا قائم کرنا پبلک لائبریریوں اور کالجوں میں غالب گوشے بنانا بھی پروگرام کا اہم حصہ ہیں اس موقع پر غالب اور جدید ذہن کے موضوع پر ہندی کے ممتاز طنز نگار شرد جوشی نے ایک مقالہ پڑھا۔ جناب فضل الرحمٰن، جناب رئیس اطہر اور حبیب ترنم نے خوش گلوئی کے ساتھ کلام غالب پیش کیا۔ ڈاکٹر عابد حسین نے سمپوزیم اور بزم مقالات کی تفصیلات پیش کیں۔

پریس کلب نے ۱۹ فروری کو شام غالب منائی جس کا افتتاح موم کی شمع جلا کر گورنر مدھیہ پردیش نے کیا۔ آپ نے اپنی تقریر میں کہا کہ غالب کی شاعری زندگی میں نئے حوصلہ مند امکانات کی نوید سناتی ہے۔ اس موقع پر ایک مشاعرہ بھی ہوا جس کی صدارت صوبائی غالب کمیٹی کے نائب صدر ڈاکٹر شوشنکل سنگھ سمن وائس چانسلر وکرم یونیورسٹی نے کی آپ نے کہا کہ میں ہندی کا کوی ہوں غالب اردو کے شاعر تھے۔ لیکن جس طرح مندر، مسجد، مقدس مقامات پر ماتھا جھکانے کی سب کو اجازت ہے اسی طرح میں غالب کی شاعرانہ عظمت کی چوکھٹ پر اپنا ماتھا ٹیک کر اسے شردھانجلی کرتا ہوں۔ دیوان صدر منزل میں منعقدہ اس بے حد شاندار جلسے میں ہائی جینن حفیظ علی کے علاوہ مشہور گلوکار سدھا ملہوترا نے غالب کی غزلوں کو ساز و سنگیت کے ساتھ پیش کیا۔ ایک مشاعرہ بھی ہوا جس میں شہری بھوپالی، اختر سعید، اطہر سعید، مقصود عرفان مقصود عمرانی، ارشد صدیقی، عشرت قادری، رفعت الحسینی، صہبا قریشی اور دوسرے شعرا نے کلام سنایا۔

حامی حمیدیہ پوسٹ گریجویٹ کالج اور مہارانی لکشمی بائی گرلز کالج میں ۱۴ فروری کو غالب صدی کی تقریبات منائی گئیں دونوں درسگاہوں میں خصوصی مہمان کی حیثیت سے وزیر امداد باہمی جناب عارف بیگ نے شرکت کی۔ اور اپنی تقریر میں کہا کہ غالب کا جشن دراصل اسی زبان کی عظمت کا اعتراف ہے جس نے غالب جیسے عظیم شاعر کو پیدا کیا۔ لکشمی بائی کالج میں چار گھنٹے تک پروگرام چلا جس میں ساز و آہنگ کے ساتھ غالب کی غزلوں کی پیشکش، غالب پر مقالات کا مقابلہ، غالب پر تقاریر، غالب کی غزلوں پر نظمی گئی پیروڈیوں کا مقابلہ اور دوسرے دلچسپ پروگرام شامل تھے۔ پروفیسر شفیقہ فرحت اور پروفیسر ایم۔ ایم خاں ان پروگراموں کے روح رواں تھے۔ حمیدیہ کالج میں صدر شعبۂ اردو ڈاکٹر ابو محمد سحر نے کالج میں منائے جانے والے پروگراموں کی تفصیلات بتائیں اور اعجاز رسول نے اپنی مترنم آواز میں غالب کی غزل سنائی۔

مدھیہ پردیش غالب صد سالہ تقریبات نے نے ۲۰ × ۳۰ کے بڑے سائز میں رنگ برنگا پوسٹر شائع کیا ہے جس میں جناب ایم عرفان کی بنائی غالب کی تصویر ہے اور اوپر یہ شعر لکھا ہے ؎

پوچھتے ہیں وہ کہ غالب کون ہے
کوئی بتلائے کہ ہم بتلائیں کیا

نیچے غالب کے ایک خط کی عبارت ہے جس میں انہوں نے اپنے کو ہندو مسلمان نصرانی نہ مانتے ہوئے صرف انسان مانا ہے۔ یہ پوسٹر جگہ جگہ آویزاں کیا گیا اور پسند کیا گیا۔

اردو گھر فنڈ

یکم فروری تا ۲۸ فروری ۱۹۷۶ء

نمبر شمار	نام و مقام مع ضلع	رقم چندہ	ذریعہ	کیفیت
۱	جناب غلام معین الدین معقول کوری جھالاواڑ راجستھان	۳–۰۰	منی آرڈر	خود
۲	" ایم اے حسین خاں (اپنی ذاتی فنڈ)	۵۰–۰۰	چیک	"
۳	" محمد طیب چھنبرہ	۵–۰۰	منی آرڈر	
۴	" ایم اے حسن چھنبرہ	۵–۰۰		
۵	" محمد داؤد "	۵–۰۰		
۶	" قمرالہدے "	۵–۰۰		
۷	" اختر حسین "	۵–۰۰		
۸	" حاجی طاہر حسین "	۵–۰۰		
۹	" محمد اللہ صاحب کلاتھ مرچنٹ "	۵–۰۰		
۱۰	" امیرالحق سینڈی "	۵–۰۰		
۱۱	" غفارالله "	۱–۰۰		
۱۲	" محمد ہاشم کلرک "	۱–۰۰		
۱۳	" ماسٹر محمد علی "	۱–۰۰		
۱۴	" عبدالرزاق کینڈی "	۱–۰۰		
۱۵	" محمد حنیف چھنبرہ	۱–۰۰		
۱۶	" مولوی محمد اسمٰعیل کینڈی	۱–۰۰		
۱۷	" ماسٹر روح اللہ چھنبرہ	۱–۰۰		
۱۸	" ماسٹر ابوالقاسم "	۱–۰۰		
۱۹	" ماسٹر منظور "	۱–۰۰		
۲۰	" عبدالرشید ٹیلر ماسٹر "	۱–۰۰		
۲۱	" عبدالعزیز انصاری "	۱–۰۰		
۲۲	" محمد عیسیٰ "	۱–۰۰		
۲۳	" ماسٹر محمد سلیم "	۱–۰۰		
۲۴	" ماسٹر محمد نعیم الدین (اٹوا)	۱–۰۰		
۲۵	" ماسٹر محمد صدیق بارہ بنکی	۵–۰۰		
۲۶	" حافظ محمد سراج "	۵–۰۰		
۲۷	" محمد اعجاز "	۵–۰۰		
۲۸	" عبدالعزیز "	۵–۰۰		
۲۹	" ماسٹر محمد یٰسین "	۵–۰۰		
۳۰	" ڈاکٹر رضاءالحق "	۱–۰۰		
۳۱	" حافظ عبدالمجید "	۱–۰۰		
۳۲	" عبدالحفیظ "	۱–۰۰		
۳۳	" مولانا حکیم حمید احمد "	۱–۰۰		
۳۴	" افتخار الزماں "	۱–۰۰		
۳۵	" حافظ افضل حسین "	۱–۰۰		
۳۶	" حاجی محمد عیسیٰ نیا گاؤں	۵–۰۰		
۳۷	" امان اللہ "	۱–۰۰		
۳۸	" مظہرالحق "	۱–۰۰		
۳۹	" عمر فاروق "	۱–۰۰		
۴۰	" ماسٹر محمد عیسیٰ "	۱–۰۰		
۴۱	" عبداللہ "	۱–۰۰		
۴۲	" محمد مسعود عالم	۱–۰۰		
۴۳	" محمد رضاء اللہ "	۱–۰۰		
۴۴	" حاجی محمد دین "	۱–۰۰		
۴۵	" شاہد حسین بارہ بنکی	۱–۰۰		
۴۶	" شیخ محمد یوسف حسین "	۱–۰۰		
۴۷	" حاتم سنگھ نرائن سنگھ ٹرانسپورٹ			
	فیکٹری ردیا گجرات	۱۰۰–۰۰	منی آرڈر	خود
۴۸	مس انیس سلطانہ	۵–۰۰	چیک	
۴۹	" نسیم سلطانہ	۵–۰۰		
۵۰	مسز قمرالنسار	۲–۰۰		
۵۱	" بلقیس جہاں	۲–۰۰		
۵۲	" اوشا جوہری	۲–۰۰		
۵۳	جناب وسیم اکرم	۱–۰۰		
۵۴	" افتخار احمد خاں	۱–۰۰		
۵۵	" رفیق ایوب	۱–۰۰		
۵۶	" اسرار احمد خاں	۱–۰۰		
۵۷	" محمد امین	۱–۰۰		
۵۸	" عبدالرشید خاں	۱–۰۰		
۵۹	" الٰہی رسول	۱–۰۰		
۶۰	" فضل باری عاصف	۱–۰۰		
۶۱	" عزیز الرحمٰن	۱–۰۰		
۶۲	" مولوی حافظ محمد ایوب خاں اظہر	۵–۰۰		
۶۳	" ماسٹر عبدالسلام	۵–۰۰		
۶۴	" برکاش نرائن جوہری	۱۰–۰۰		
۶۵	" ماسٹر اللہ دین خاں	۵–۰۰		
۶۶	" ماسٹر غلام خالد خاں	۵–۰۰		
۶۷	" احترام الدین احمد شاغل	۲–۰۰		
۶۸	" سید اظہر علی ہیڈ ماسٹر	۵–۰۰		
۶۹	" ترجیحی علی سپرنٹنڈنٹ	۱۱–۰۰		
۷۰	" شان الٰہی سوداگر	۱۰–۰۰		
۷۱	" بچا عبدالمجید	۲–۰۰		
۷۲	" رائے بہادر پنڈت اوتار نرائن بہادر	۱۱–۰۰		
۷۳	" حکیم حافظ محمد عبدالسلام	۱۱–۰۰		
۷۴	" قاضی عبدالحیٔ	۱۱–۰۰		
۷۵	" الحاج محمد عبدالرحمٰن خاں ہیڈ ماسٹر	۵–۰۰		
۷۶	" شمس الدین بیکری مرچنٹ	۲–۰۰		
۷۷	" منشی عبدالواسع اکمل	۱–۰۰		
	میزان حال	۳۷۹–۰۰		
	" سابق	۱۰,۴۷۲–۲۵		
	" کل	۱۰,۸۵۱–۲۵		

مرسلہ ایم اے حسن صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو [illegible] (راجستھان) (for entries ۳–۴۴)

مرسلہ [illegible] جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو بھوپال (for entries ۴۸–۶۳)

مرسلہ مولوی احترام الدین احمد شاغل جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو (راجستھان) (for entries ۶۴–۷۷)

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ پرنٹر و پبلشر سید ضیاء علی نے لیتھو کلر پرنٹرس علی گڑھ میں چھپوا کر دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا